R. No. 2186/57

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

Regd. No. A. 922
Telephone No. 29
Telegrams "ANJUMAN"

قیمت
سالانہ تین روپئے
ایک پرچہ
دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۶۱ ۱۵ ۸ ۱

ہماری زبان

ایڈیٹر — آل احمد سرور

جلد ۱۸	علی گڑھ — ۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء	شمارہ ۳۵

حضرت ہری کرشن راز بلند شہری

از دیویندر پرشاد سکسینہ بدایونی

ہری کرشن نام، راز تخلص۔ وطن دہلی ہے۔ غدر ۱۸۵۷ء میں آپ کے والد بزرگوار منشی چھٹن لال صاحب کایستھ سکسینہ صغر سنی میں دہلی کو خیرباد کہہ کر اپنے نانا کے پاس جو بلند شہر میں کوتوال تھے آ گئے۔ آپ کی پیدائش ۳ ستمبر ۱۸۸۹ء کو بلند شہر میں ہوئی۔ آپ کی عمر تقریباً تین سال کی تھی جب آپ کے والد صاحب کا تبادلہ بلند شہر سے میرٹھ کو ہو گیا یہاں وہ بیس سال کلکٹری میں پیشکاری و سررشتہ داری کے عہدوں پر مامور رہ کر ریٹائر ہو گئے۔

اس زمانے کے دستور کے مطابق آپ کی تعلیم کی ابتدا فارسی زبان سے ہوئی اور آپ نے مکان پر گلستاں تک تعلیم پائی۔ پھر ابتدائی کلاس دیوناگری اسکول میرٹھ میں اور ساتویں سے دسویں کلاس تک اے وی ہائی اسکول سکندرآباد ضلع بلند شہر میں طے کئے اور انٹرمیڈیٹ کی تعلیم میرٹھ کالج میں حاصل کی۔

آپ کو مکان پر فارسی رادھا کرشن صاحب نے پڑھائی یہ بزرگوار سریواستویہ کایستھ اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے جہاں وہ آخری تاجدار اودھ نواب واجد علی شاہ کے مصاحب اور جیلہ دار تھے۔ منشی صاحب موصوف فارسی کے شاعر تھے۔ ان کی زبان لکھنوی تھی اور گھر میں دہلی کی ٹکسالی زبان بولی جاتی تھی۔ اس اندیشہ سے کہ آپ کی زبان خراب نہ ہو جائے آپ کو محلے کے لڑکوں کے ساتھ کھیلنے کی ممانعت تھی۔

جناب منشی رادھا کرشن صاحب کی تعلیم و تربیت نے آپ میں ادبی ذوق پیدا کر دیا۔ اسکول کی تعلیم کے زمانے میں کبھی کبھی غزلیں اور قصیدے کہے لیکن پڑھنے کے شوق نے غزل گوئی کی طرف مائل نہ ہونے دیا۔ منشی رادھا کرشن صاحب غدر ۱۸۵۷ء کے ہاتھوں برباد ہو کر آب و دانے کی کشش سے بلند شہر آ گئے تھے۔ یہاں راز صاحب کے والد صاحب سے اُن کی ملاقات ہوئی اور وہ راز صاحب کے یہاں رہنے لگے اور تقریباً بتیس (۳۲) سال رہ کر جون ۱۹۱۲ء میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔

دوسرے بزرگ جن کا اثر آپ کی زندگی پر بہت پڑا ہے جناب بابو ہرگیان سنگھ صاحب ہیں۔ آپ اے وی ہائی اسکول سکندرآباد ضلع بلند شہر میں سیکنڈ ماسٹر اور سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس تھے اُردو میں شعر کہتے تھے اور بسمل تخلص کرتے تھے۔

آپنے راز صاحب کو بورڈنگ ہاؤس لائبریری کا لائبریرین اور اسکول کے ڈبیٹنگ کلب کا سکریٹری بنا کر آپ کو غیر درسی کتب پڑھنے کا شائق مضمون نگار اور لیکچرار بنا دیا۔ مذہب، فلسفہ سیاسیات، تاریخ اور ادب سے آپ کی دلچسپی بڑھ گئی اور زمانہ مابعد میں "زمانہ کانپور" "تیج دہلی" اور دیگر رسائل میں آپ کے مضامین شائع ہونے لگے۔ آپ کا مضمون "برطانیہ میں اہل روما کی حکومت" جو زمانہ میں شائع ہوا تھا اس قدر مقبول ہوا کہ شیر پنجاب لالہ لاجپت رائے نے اپنے اخبار "بندے ماترم" میں امر شہید سوامی شردھانند بانی گروکل کانگڑی نے اپنے اخبار "تیج" میں اور صوفی امباپرشاد نے اپنے رسالہ "مستانہ جوگی" میں اس کو زمانہ سے نقل کیا۔

آپ نے بطور ٹیچر ۱۹۲۰ء میں پنجاب یونیورسٹی سے ادیب فاضل کا امتحان پاس کیا اور تمام یونیورسٹی میں قابلیت کے

AsliAhleSunnet.com

لحاظ سے آپ کا ساتواں نمبر رہا۔ سنہ ۱۹۲۹ء میں کامل سنہ ۱۹۳۰ء میں بی اے اور سنہ ۱۹۳۶ء میں فارسی میں ایم اے کا امتحان پاس کیا۔ ستاون سال کی عمر میں اُردو میں ایم۔ اے کیا۔ گورنمنٹ ہائی اسکول مظفر نگر و بجنور۔ ڈی اے وی ہائی اسکول بلند شہر۔ بی این ایس ڈی کالج کانپور۔ اور ایم ایس کالج سکندر آباد ضلع بلند شہر وغیرہ میں ملازمت کی۔ اب میں حضرت رازؔ بلند شہری کی خصوصیات شاعرانہ پر مفصل بحث کرتا ہوں۔

بعض علمائے شعر کی تعریف یہ کی ہے کہ شعر وہ ہے جس سے حقیقت کا اظہار ہو اور جس کو سُن کر سامع بے ساختہ یہ کہہ اُٹھے کہ شعر میں جو کچھ کہا گیا ہے سچ کہا گیا ہے۔ ایسے ہی شعر پر از دل خیزد بر دل ریزد کی مثل صادق آتی ہے۔ پُر اثر اور سچی شاعری کی شان میں شاعری جزویست از پیغمبری کہا گیا ہے۔ جس شاعری سے جسم پرستی۔ سفلی جذبات اور جھوٹ اور مبالغہ کی تعلیم ملتی ہو وہ مخرب الاخلاق ہونے کی وجہ سے ترک کر دینے کے قابل ہے۔ بدقسمتی سے ہماری اُردو شاعری کا بہت بڑا حصہ عشق پرستی جھوٹ مبالغہ اور سفلی جذبات سے بھرا ہوا ہے جس سے بیزار ہو کر حالی مرحوم بہ بانگ دہل کہہ اُٹھتے ہیں۔ ؎

وہ شعر و قصائد کا ناپاک دفتر
عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر

اور غالب اپنے اشعار کے لئے عام شاہراہ کو چھوڑ کر نئے نئے مضامین تلاش کرتے ہیں اور "شاعری معنی آفرینی ہے قافیہ پیمائی نہیں ہے" کا فتویٰ دے دیتے ہیں۔ یہ معنی آفرینی یا شاعری جزویست از پیغمبری ہر کس و ناکس کا حصہ نہیں ہے بلکہ صرف تلامیذ الرحمٰن کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہے۔ یہ وصف کسبی نہیں بلکہ وہبی ہوتا ہے جو کلام کو قبول عام اور بقائے دوام کا طرۂ امتیاز بخشتا ہے۔

مندرجہ معیار سے جب ہم حضرت ہری کشن رازؔ بلند شہری کے کلام کو جانچتے ہیں تو اُن کے تقریباً ہر شعر سے ایک الہامی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے جس کو پڑھ کر اور سمجھ کر دل ایک عجیب کیف سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔ ان کا کلام عشقِ مجازی، سفلی جذبات پرستی جھوٹ اور مبالغہ سے سراسر خالی ہے ہجر کے مضامین ان کے کلام میں عنقا ہیں۔ وہ عالمِ کیف میں اسرار و رموزِ بے خودی کا انکشاف کرتے ہیں۔ ان کا کلام ہند و فلسفہ ویدانت کا آئینہ ہے بمثال کے طور پر ان کی چند غزلیں پیش کی جاتی ہیں:۔

غزل

پلایا مجھ کو ساقی تو نے وہ پیمانہ مستی میں
کہ کُل عالم نظر آنے لگا مے خانہ مستی میں

جب آپے میں نہیں رہتا دلِ دیوانہ تب اُس کو
نظر آتا ہے ہر جا جلوۂ جانانہ مستی میں

رہین بے خودی ہو کر قدم منزل پہ جا پہنچا
مراحل کر گیا طے سارے یہ دیوانہ مستی میں

وفورِ عشق میں شمعِ تصور نے کیا روشن
شبِ ہجراں فروغِ حُسن سے کاشانہ مستی میں

کشش پر اپنی کیوں نازاں نہ ہو دیوانۂ اُلفت
یگانہ ہو گیا اس کا جو تھا بیگانہ مستی میں

نہاں تھا رازؔ وصلِ اصل کا ترکِ تمنا میں
میسر ہے بجائے صورتِ جانانہ مستی میں

———:(غزل دیگر):———

رفتہ رفتہ عشق خود اپنا مداوا ہو گیا
بے خودی پیدا ہوئی بیمار اچھا ہو گیا

عقلِ خود بیں کی نظر محدود اس عالم میں تھی
بے خودی میں کوئی سیارِ لامکاں کا ہو گیا

قسمے میں دل کے برقِ نورِ ازلی تھی نہاں
لَو لگاتے ہی اُدھر فوراً اُجالا ہو گیا

حُسنِ مطلق نے جو ڈالی رُخ پہ فطرت کی نقاب
خود بخود اک اور پردہ دل میں پیدا ہو گیا

شمعِ خاموشی ہے اب زینت دہِ فانوسِ یاس
دُور بزمِ دل سے غوغائے تمنا ہو گیا

رازؔ ہستی اپنی ہستی کے فنا کرنے میں تھا
قطرہ دریا میں فنا ہوتے ہی دریا ہو گیا

———:(غزل دیگر):———

فنا کوشی میں ذکرِ آرزو کیا
خموشی میں صدائے ہا و ہو کیا

کمال سوز سے دل جل چکا ہے
فراق و وصل کی اب گفتگو کیا

ترِ دامانِ دل شمعِ حرم ہے
تو پھر کعبہ میں اُس کی جستجو کیا

نہیں جب میکشوں کو ہوش اپنا
خیالِ جام و مینا و سبو کیا

شریعت سے بھی اپنے ہاتھ دھولے
رہین بے خودی قیدِ وضو کیا

چمن زارِ حقیقت دل میں پھولا
فریبِ گلستانِ رنگ و بو کیا

عیاں جب ہو گیا رازِ حقیقت
تو پھر سب ایک میں کیا اور تو کیا

اب غزلوں میں اور رنگ بھی ملاحظہ کیجیے۔ اشعار پڑھ کر بیساختہ مُنہ سے داد نکلتی ہے۔

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

ضروری اعلان:۔ براہ مہربانی خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجیے۔
منیجر

AsliAhleSunnet.com

ہماری زبان

۱۵ ستمبر ۱۹۵۹ء

پنت جی اور اُردو

راج سبھا میں ڈاکٹر ہردے ناتھ کنزرو نے سرکاری زبان کے مسئلے پر اظہار خیال کرتے ہوئے، اُردو کے ساتھ جو بے انصافی ہو رہی ہے اس پر احتجاج کیا اور حکومت کو توجہ دلائی کہ اُردو دوستوں کی جائز شکایات کو دور کرے۔

پنڈت پنت نے اپنی جوابی تقریر میں اُردو کی قومی حیثیت کا اعتراف کیا اور اس پر افسوس ظاہر کیا کہ اُردو دوستوں کی شکایات ابھی دور نہیں ہوئی ہیں اور اُن کے ساتھ زیادتی ہوتی ہے، انھوں نے حکومت ہند کے اُس اعلان کا ذکر کیا جو گذشتہ سال کیا گیا تھا اور بتایا کہ سرکاری زبان کے مسئلے پر پارلیمنٹ کی کمیٹی نے جو رپورٹ دی ہے، اس کے ضمیمے کے طور پر یہ اعلان اس لئے شامل کیا گیا ہے کہ حکومتِ ہند کی اُردو کے متعلق پالیسی سب پر واضح ہو جائے۔ اُنھوں نے یہ اُمید بھی ظاہر کی کہ ہندی کا سرکاری زبان کی حیثیت سے جو روپ بنے گا، اُس میں دوسری زبانوں کی طرح اُردو کا بھی حصّہ ہوگا۔

بظاہر یہ باتیں بڑی خوش آیند معلوم ہوتی ہیں لیکن ہمیں افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ان سے صورت حال پر کوئی خاص اثر نہیں پڑتا اور اُردو کے راستے میں جو دشواریاں حائل ہیں، وہ بدستور باقی رہتی ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جس تیزی سے خواندگی کی مہم چلائی جا رہی ہے اس کو دیکھتے ہوئے دہلی، پنجاب، اتر پردیش، بہار اور اُن علاقوں میں جہاں اُردو بولنے والوں کی معقول تعداد ہے، ابتدائی اسکولوں میں اُردو کے ذریعے سے تعلیم کا کماحقہ انتظام ہونا چاہیے تھا۔ ایسا نہیں ہوا اور ہر جگہ سے یہ شکایات موصول ہو رہی ہیں کہ کہیں مالیات کا عذر کرکے، کہیں دس اور چالیس کی تعداد کے ایک وقت میں موجود نہ ہونے کا بہانہ کرکے، کہیں اُستادوں کی کمی کا تذکرہ کرکے، کہیں کتابوں کے نہ ہونے کی وجہ سے، نئے اُردو اسکول ضرورت کے مطابق نہیں کھولے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ثانوی مدارس میں ٹائم ٹیبل میں گنجائش نہ ہونے کا اکثر تذکرہ ہوتا ہے، یا لڑکوں کی کمی کی بات چھیڑی جاتی ہے۔ عدالتوں میں اُردو میں درخواستیں خال خال لی جاتی ہیں۔ اُردو میں کوئی دستاویز پیش کی جائے تو ہندی کی نقل مانگی جاتی ہے، دفتروں کا ریکارڈ اُن علاقوں میں بھی جو اُردو کے علاقے مان لیے گئے ہیں نہیں رکھا جاتا۔ حکومت کسی سرکاری اُردو پرچے میں اعلان کرکے یہ سمجھ لیتی ہے کہ چلو چھٹّا اُترگیا۔ مجسٹریٹ ثقیل ہندی میں ملزموں سے سوال کرتا ہے۔ انصاف سے اُسے غرض نہیں، وہ تو ہندی دانی کی نمائش میں مگن ہے۔ اگر اس صورتِ حال کے باوجود پنڈت پنت مطمئن ہیں کہ حکومت نے اپنی پالیسی واضح کردی ہے تو اس اطمینان سے اُردو دوستوں کی تسکین نہیں ہوسکتی۔ اُنھیں پنڈت جواہر لال نہرو، پنڈت پنت اور ایسے ہی رہنماؤں سے روز سابقہ نہیں پڑتا۔ سابقہ ایسے افسروں، کارکنوں اور اہلکاروں سے پڑتا ہے جو یا کاہلی کی وجہ سے، یا تنگ نظری کے کارن، اُردو کے لئے مناسب سہولتیں فراہم نہیں کرتے۔ اگر ہماری جمہوریت محض کاغذ پر نہیں ہے تو جمہوریت کی پاسداری کا اظہار عمل سے ہی ہونا چاہیے۔ سرکاری اعلانات اور اوپر کے لوگوں کی خوبصورت تقریریں ہمارے درد کی دوا نہیں۔ دوا روزمرہ زندگی میں افسروں اور کارکنوں کا مناسب طرزِ عمل ہے۔ حکومت ہند کا فرض ہے کہ وہ اپنے اعلان کی پابندی ریاستی حکومتوں سے کرائے۔ یہ صرف حکومت کی عزت کا معاملہ نہیں، اُس کی ساکھ کا معاملہ بھی ہے۔ اس سلسلے میں سب سے زیادہ ذمہ داری پنڈت پنت پر عائد ہوتی ہے۔ اُن جیسے تجربہ کار اور باشعور رہنما سے یہ توقع نہیں کہ وہ حالات سے ناواقف ہوں گے۔ اندیشہ یہ ہے کہ وہ ان اعلانوں کو کافی سمجھتے ہیں اور ان کے نفاذ کی ذمہ داری سے اپنے آپ کو علیحدہ سمجھتے ہیں، حالانکہ یہ اُن کا اخلاقی فرض ہے۔ اگر کچھ حلقوں میں اس صورتِ حال کی وجہ سے یہ خیال جڑ پکڑتا ہے کہ حکومت کچھ کرنا نہیں چاہتی وہ صرف اعلانات اور تقریروں سے بہلانا چاہتی ہے، تو یہ خیال قدرتی ہے۔ جمہوریت کا آئے دن پرچار کرنے والوں کو سب سے پہلے اپنے عمل سے اپنے خلوص کا ثبوت دینا چاہیے۔ اقلیتوں کے معاملات میں

AsliAhleSunnet.com

اقلیتوں کا اطمینان پہلی اور آخری شرط ہے، اکثریت کے دعووں کے کوئی معنی نہیں، خواہ یہ دعوے پنڈت نہرو کی زبان سے ہوں یا پنڈت پنت کی زبان سے۔

معاصر اخوت کلکتہ کو شکایت ہے کہ شکیل بدایونی کی آمد کے موقع پر انجمن ترقی اُردو کلکتہ نے انھیں مدعو نہیں کیا درآں حالیکہ سنگیت کلا مندر نے انھیں بمبئی سے دعوت دے کر بُلایا تھا۔ ان کی دوسری شکایت ہے کہ شکیل صاحب نے فن اور زبان کے متعلق اپنے جس نظریہ کی وضاحت کی اس پر بھی انجمن کے کسی شخص نے اعتراض کیا اس سلسلے میں معاصر موصوف نے تنگ نظری، مخصوص سیاسی نظریات اور اُردو کے دائرے کو محدود کرنے کے خلاف آواز بلند کی ہے جس کا انھیں انجمن والوں پر شبہ ہوا ہے۔

جہاں تک انجمن ترقی اُردو ہند کا تعلق ہے وہ کوئی سیاسی یا مذہبی ادارہ نہیں ہے۔ وہ نہ کمیونزم کی حامی ہے نہ اس کی مخالف۔ اس کی سرگرمیاں اور دلچسپیاں اُردو زبان و ادب کی ترویج و ترقی سے متعلق ہیں اور وہ سب اُردو دوستوں کا مشترک پلیٹ فارم ہے اس لحاظ سے اُردو زبان کے مقبول عوام شاعروں کی خدمات کو انجمن قدر کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔ ہم معاصر اخوت کے اس بیان سے بالکل متفق ہیں کہ اُردو اور ہندی داں ادیبوں کے اجتماع میں تبادلۂ خیال ہوا کرے۔ اُردو اور ہندی کو قریب لانے اور ان کے ادیبوں میں ربط و آہنگ پیدا کرنے کے سلسلے میں انجمن نے جو کام کئے ہیں وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ ہمارے یہاں سے ہندی ادب کی تاریخ شائع ہو چکی ہے۔ ہم نے ہندی رسم خط میں بھی اُردو ادب کے نمونے شائع کئے ہیں۔ "ہماری زبان" میں آئے دن ہندی اُردو کے رسم خط اور زبان پر اظہار خیال ہوا کرتا ہے ادبی معیار میں بھی انجمن علم و ادب کی سنجیدگی کی حد تک نظم و نثر کی تبلیغ و توسیع میں کوشاں رہی ہے ہمارا خیال ہے کہ ہر زندہ اور ترقی کرنے والی زبان میں وقت کے تقاضوں اور بدلتی ہوئی ادبی قدروں کو قبول کرنے کی صلاحیت ہونی چاہیئے۔

امید ہے اس قدر بیان سے وہ وضاحت ہو گئی ہو گی جس کا معاصر اخبار نے ہم سے مطالبہ کیا تھا لیکن ہمیں اس بات پر تعجب ضرور ہے کہ انجمن کے کسی آدمی نے انفرادی حیثیت سے شکیل بدایونی کے نظریۂ فن سے اختلاف کیا تو معاصر اخبار نے اس کا بُرا مانا۔ حالانکہ اسے بھی یہ تسلیم ہے کہ "ادیبوں اور شاعروں کو کسی خاص نظریہ کے دائرے میں محدود نہیں کیا جاسکتا" غالباً وہ انجمن کے ممبروں کو شکیل صاحب کی طرح ادب کے بارے میں اپنی رائے رکھنے کا حق دیں گے، خواہ یہ رائے شکیل صاحب کے موافق ہو یا مخالف۔

علمی اختلافات ادب کی نشوونما میں معاون ہوتے ہیں یہ ادب کے زرخیز اور رنگا رنگ ہونے کی علامت ہے۔ ہاں اگر یہ بات ثابت ہو جائے کہ انجمن کی کوئی شاخ کسی خاص نظریے کی بنا پر کچھ لوگوں کو پسند کرتی ہے اور کچھ کو ناپسند تو یہ اچھی بات نہ ہو گی۔

ہمیں افسوس ہے کہ معاصر اخوت نے ایک معمولی فروگذاشت پر یہ سمجھ لیا کہ وہاں کی انجمن زبان کے معاملے میں تعصب برتتی ہے۔ ترقی پسند کی اصطلاح بھی جن معنوں میں استعمال کی گئی ہے اب مردہ ہو چکی ہے۔ اول تو انجمن نے کبھی ترقی پسند یا غیر ترقی پسند کی تقسیم روا نہیں رکھی۔ اچھے اور مقبول شاعر ہمیشہ ترقی پسند ہوتے ہیں، اس لئے کہ ان میں فن کو نئے معانی و مطالب دے کر آگے بڑھانے کی صلاحیت ہوتی ہے۔ دوسرے شکیل صاحب جیسے مقبول شاعر کے اعزاز میں نشست کرنے یا نہ کرنے میں کسی پالیسی کا سوال نہیں ہے۔ یہ باتیں لوگوں کی سہولت پر منحصر ہوتی ہیں۔

آزاد لائبریری کا قیام

صاحب گنج (بہار) میں مولانا ابوالکلام آزاد کی یادگار میں "آزاد لائبریری" کا قیام عمل میں آیا اور گیارہ افراد پر مشتمل ایک انتظامیہ کمیٹی کی تشکیل کی گئی۔

ادبی ذوق اور کتب بینی کو فروغ دینے کی غرض سے ہر ہفتہ لائبریری کی جانب سے ایک ادبی نشست بھی ہوا کرے گی۔

جناب ظفر امام صاحب نے بلا معاوضہ مکان دے کر لائبریری کی ایک اہم ضرورت کو پورا کر دیا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

حصہ نظم

غزل

حبیب احمد صدیقی

کس قدر عجیب ہے کاروبارِ زندگی
آدمی کی بندگی کر رہا ہے آدمی

شمعِ دل بجھی بجھی سب سے بے تعلقی
ہے یہ کوئی زندگی دوستی نہ دشمنی

دل میں برق موجزن آنکھ جوئے نور سی
ان سے مل کے بڑھ گیا اعتبارِ زندگی

خندۂ بہار ہے مژدۂ حیات ہے
اک نگاہِ مختصر اک تبسم خفی

جرأت آزما نظر بات حوصلہ شکن
کش مکش نہ پوچھئے تو اسیرِ عشق کی

اپنی چشمِ شوق کو کیا کہوں کہ آج وہ
مجھ سے اس طرح ملے جیسے کوئی اجنبی

آپ سے گلہ ہی کیا آپ نے کیا ہی کیا
حسن کی سرشت ہے دلکشی و بے رخی

ناصحِ شفیق کے مشوروں کو کیا کریں
صد مواعظ خرد یک حدیث دلبری

وائے حکمت و خرد اہلِ عقل و ہوش میں
مصلحت کے نام پر ہے روا ستمگری

عرصۂ حیات میں یوں تو فتنے ہیں بہت
سب سے بڑھ کے ہے مگر فتنۂ تونگری

یہ جہانِ رنگ و بو اور فرطِ آرزو
ہائے بختِ نارسا ہائے رنجِ نارسی

غزل

عادل منصوری

ہٹاؤ نہ رخ سے یہ زلفوں کے سائے
کہیں اہلِ شب کی نظر لگ نہ جائے

کلی مسکرائی نہ گل مسکرائے
بہاروں نے کیسے کرشمے دکھائے

وہیں راہِ منزل کا آغاز دیکھا
جہاں رہبروں کے قدم ڈگمگائے

فلک نے ستایا تو آئے زمیں پر
کہاں جائیں گے اب زمیں کے ستائے؟ ✻

غزل

تسکین قریشی

انجم و مہر و ماہ سے پہلے — جلوہ تھا جلوہ گاہ سے پہلے
کھیل سمجھے نہ کوئی شغلِ فغاں — دم الجھتا ہے آہ سے پہلے
کس قدر دل سے بے خبر تھے ہم — اُن کی پہلی نگاہ سے پہلے
عشق میں ہر جفائے دوست کے بعد — شکر لازم ہے آہ سے پہلے
کسی منزل پہ تھم سکے نہ قدم — عشق کی شاہراہ سے پہلے
دل کا بھی اک مقام ہے زاہد — مسجد و خانقاہ سے پہلے
کون سمجھا ترا فریبِ کرم — میرے حالِ تباہ سے پہلے
اک تجلی سی دل میں ہوتی ہے — اعترافِ گناہ سے پہلے

اہلِ دل دیکھ لیتے ہیں تسکین
منزلوں دور، راہ سے پہلے

غزل

مفتوں کوٹوی

دل رہے شاد یا تباہ رہے — ہاں فقط آپ کی نگاہ رہے
تیری ان بدگمانیوں کی قسم — بے گنہ ہم حاملِ گناہ رہے
اف رے تیرے عتاب کا عالم — ہم بھی اپنے نہ خیرخواہ رہے
زندگانی میں پھر دھرا کیا ہے — جب نہ دل مائلِ گناہ رہے
لطف یہ ہے۔ خدا ڈبوئے مجھے — ناخدا پر مرا گناہ رہے
ہائے اس وقت کا خدا حافظ — جب نہ کچھ ہمتِ گناہ رہے

پھر نکل آئیں گی کئی راہیں
دل کو دل سے تو رسم و راہ رہے

رباعیات

منوہر لال شارب حیدرآباد دکن

جو سوز و غم و درد کا حامل نہ بنے — محفل میں رہے گرمیِ محفل نہ بنے
وہ دل نہیں پتھر ہے مری نظروں میں — کم بخت اگر ٹوٹ کے بھی دل نہ بنے

پھولوں کی ہنسی بھی ہوئی ملتی ہے — کمھلائی ہوئی غم میں خوشی ملتی ہے
دنیا ابھی تکمیل طلب ہے شاید — ہر شئے میں کسی شئے کی کمی ملتی ہے

✻ نہیں کوئی گلزار کانٹوں سے خالی
کہاں تک کوئی اپنا دامن بچائے؟

یہ دریا کی لہریں، وہ زلفوں کے گھونگھر
حقیقت سے بڑھ کر تصور کے سائے

نہ چھیڑو وفاؤں کے افسانے عادل
کہیں دوستوں کا بھرم کھل نہ جائے

AsliAhleSunnet.com

مراسلات

مرحبا موشگافیِ ناوک

۱۔ "مثنوی نادر" از ڈاکٹر قطب اللہ ہاشمی۔ "ہماری زبان" ۲۲ر اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۲۔ کالم ۱ سطر ۲۴۔ "اور وہ مرفع الحال زندگی بسر کرتے تھے" مرفع الحال غلط۔ مرفّہ الحال صحیح۔

۲۔ صفحہ ۲۔ کالم ۲۔ آخری سطر۔ "اُس سے اس قرض کی ادائگی ہوئی"۔ ادائگی غلط۔ ادائی صحیح۔ یا "اُس سے وہ قرض ادا ہوا"

"ہماری زبان" ۲۲ر اگست ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۵ "تبصرہ" از نصیر الدین ہاشمی کالم ۲۔ سطر ۳۰ "مرتب کنندہ کی تحریر سے یہ بھی واضح ہے" مرتّب کنندہ، غلط۔ ترتیب دہندہ، صحیح۔ بلکہ ــــ صرف مرتب کافی ہے۔

صفحہ ۱۵ کالم ۱۔ سطر ۱۹، ۲۰

"جن شعراء کا قومی کلام پیش کیا گیا ہے اُن میں اُردو کے ہر مقام کے شعراء کو شامل کیا گیا ہے، صرف اُتر پردیش کے شعراء نہیں ہیں"۔

اس تحریر کے معنی یہ بھی نکل سکتے ہیں کہ "اتر پردیش کے علاوہ ہر جگہ کے شعراء ہیں" اس لئے یوں ہونا تھا۔ "جن شعراء کا قومی کلام پیش کیا گیا ہے اُن میں صرف اتر پردیش کے شعراء نہیں ہیں بلکہ ان میں اُردو کے ہر مقام کے شعراء کو شامل کیا گیا ہے"۔

(سماش ذوالنون)

آفریں آبداریِ صمصام

ہماری زبان مورخہ ۱۵ر اگست ۵۹ء کے دوسرے صفحے کے دوسرے کالم کی ۲۳ ویں سطر میں سہو کتابت سے ۱۹۵۹ء کے بدلے میں ۱۹۵۱ء لکھا گیا ہے۔

حصہ نظم میں عبدالرزاق سعید صاحب کی غزل بحر ہزج مثمن اشتر ہے جو اجتماع خرم و قبض سے ہوتا ہے یعنی حرف اول وتد مجموع اور حرف پنجم ساکن کو گرا دینا اور مفاعیلن سے فاعلن حاصل کرنا۔ وزن یوں ہوتا ہے :۔ فاعلن مفاعیلن فاعلن مفاعیلن۔ سعید صاحب نے تیسرے شعر کے پہلے مصرع۔ چوتھے شعر کے دوسرے مصرع میں اور چھٹے شعر کے پہلے مصرع میں جھٹکے کھائے ہیں۔

اشعار علی الترتیب یوں ہیں :۔

ہو کس قدر گنگھور یاس کی گھٹا چھائی کیا تمہارے ملنے کی دل نے کوئی خواہش کی

کچھ مزاج پرسی کی گو مزاج برہم تھا۔ ڈرتے ڈرتے آخر کار دئیے کچھ گزارش کی

سمجھے وہ مرا مفہوم ہے یہی صلہ کافی۔ کیا سعید کو پروا غیر کی ستائش کی۔

متنازعہ مصاریع کے اوزان یوں بدل گئے ہیں :۔ فاعلن مفاعیلن مفاعلن مفاعیلن۔

اسی صفحہ پر باقر مہدی صاحب کی نظم "محترمی مجروح سلطانپوری کے نام" بحر رمل مثمن محذوف میں ہے جس میں دو بار بسبب حذف فاعلاتن سے سبب خفیف آخری گر جاتا ہے اور فاعلن رہ جاتا ہے۔ جس کے بعد وزن شعر کے لئے تقطیع یوں ہوتی ہے۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔ نظم کے تیسرے شعر کا پہلا مصرع ہے۔ ع روشنی کی قید بہتر تیرگی سے ہے مگر۔ یعنی باقر صاحب نے وزن کو بحال رکھنے کے لئے نفس مضمون کو بھینٹ چڑھا دیا ہے روشنی کی قید تیرگی کی آزادی سے بہتر تھی مگر باقر صاحب نے نہ جانے کس جذبے کے تحت آزادی کو اپنے بطن ہی میں رہنے دیا۔

علاوہ بریں ذکا صدیقی صاحب کی غزل کے تیسرے شعر میں

"یادگارِ فصلِ گل باقی ہیں اب یہ دل کے داغ
اس چمن میں بھی کبھی دورِ بہار آیا تو تھا"

کے دوسرے مصرع میں "بھی کبھی" کا استعمال پہلے مصرع میں اب کے ہوتے کھٹکتا ہے۔ علاوہ بریں اسی صفحہ میں سحر او جینی صاحب کا قطعہ درج ہے جس میں مطلع موجود ہے۔ جہاں تک میری یادداشت کا تعلق ہے قطعہ کی تعریف میں مطلع کا موجود نہ ہونا بھی شامل ہے۔

صفحہ ۶ پر "مراسلات" کے تحت ۲۶ ویں سطر میں محمد یوسف ثمر انصاری صاحب نے "نئی جدت" کا مرکب استعمال کیا ہے اور مضمون کے خاتمہ پر "احقر کو مشکور کریں گے" تحریر کیا ہے۔ میرے خیال میں جدت کے ساتھ نئی کا سابقہ اور ممنون کی جگہ پر مشکور کا استعمال ناروا ہے۔ صفحہ ۹ کے دوسرے کالم کی ۲۸ ویں سطر میں ۸۹۲ میں عماد شاہی اور پھر ۲۹ ویں سطر میں ۸۹۸ میں عماد شاہی کا ذکر محل نظر ہے۔

صفحہ ۱۱ پر آپ کے پسندیدہ اشعار میں سب سے پہلا شعر

کب اس عشق نے تازہ کاری نہ کی
کہاں خون سے لالہ کاری نہ کی — میر

مجھے کھٹکا ہے۔ یا تو دونوں قافیوں میں سہو کتابت سے کچھ کا نہ کچھ بن گیا ہے یا آپ کی پسند نے درست رہنمائی نہیں کی کیونکہ قافیہ میں ایطا موجود ہے۔ (آغا خلش کاشمیری)

آتشِ گل

حضرت جگر مرادآبادی کے مجموعہ کلام کا ہندوستانی ایڈیشن بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع کیا گیا ہے اس میں جگر صاحب کی نئی غزلیات بھی شامل ہیں شروع میں تازہ ترین تصویر بھی دی گئی ہے۔ قیمت ۶/۰۰ روپے

پتہ: انجمن ترقی اُردو ہند۔ علی گڑھ

AsliAhleSunnet.com

بچوں کی مادری زبان میں تعلیم

جناب مجیب الرحمٰن نے اس عنوان پر یکم جولائی ۱۹۵۹ء کے "ہماری زبان" میں ایک تفصیلی مضمون لکھ کر ایک ضرورت کا احساس کیا ہے اور پھر مباحثے کے آغاز کی دعوت بھی دی ہے، موصوف کا یہ مضمون نہایت ہی اہم بہت ہی ضروری اور بڑا ہی کارآمد ہے۔ مجھے اس مضمون سے خاصا اتفاق ہے۔ البتہ انھوں نے جو الزام آصفی حکومت (پرانا حیدر آباد دکن) پر لگایا ہے کہ اس نے "تعصب پھیلایا" اور مرہٹواڑہ، تلنگانہ، اور کرناٹک کی زبان اور تہذیبوں کو نقصان پہنچا کر اُردو کو سرکاری اور ذریعۂ تعلیم کی زبان قرار دیا۔ اس سے مجھے قطعاً اختلاف ہے آصفی حکومت نے کہیں بھی زبردستی نہیں کی، آصفی حکومت نے مرہٹواڑہ، کرناٹک اور تلنگانہ میں ابتدائی تعلیم انہی علاقوں کی زبان میں رکھی تھی۔ مڈل کلاس تک مقامی زبانوں ہی میں تعلیم دی جاتی تھی چنانچہ مڈل کا امتحان مرہٹی، کنڑی اور تلنگی اور اُردو چاروں زبانوں میں الگ الگ لیا جاتا تھا اور مدتوں یہ سلسلہ جاری رہا، جب جامعہ عثمانیہ کا افتتاح ہوا اور عثمانیہ میٹرک میں یہ مرہٹی، کنڑی اور تلنگی کے مڈل پاس لنگڑانے لگے تو خود ان کے والدین نے اور ان کی مثال سامنے رکھ کر دوسرے طلبہ نے ان علاقہ واری زبانوں کو چھوڑنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ یہ مرہٹی، تلنگی اور کنڑی جماعتیں خالی ہونے لگیں، چنانچہ مجبوراً محکمۂ تعلیمات نے انھیں برخاست کر دیا مگر پھر بھی زبانِ دوم علاقہ واری زبان رہی، اور اب تک رہی، اب یہ کہنا کہ آصفی حکومت نے یہ ظلم کیا غلط ہے، ۱۹۰۹ء سے ۱۹۳۶ء تک مجھے کرناٹک، مرہٹواڑہ اور تلنگانہ میں رہنا پڑا ہے اور میں نے صوبہ ورنگل اور اس کے اضلاع، صوبہ گلبرگہ اور اس کے اضلاع کے بیشتر مدارس میں تعلیم بھی پائی ہے جس کی وجہ سے ذاتی طور پر واقف ہوں ۱۹۱۹ء سے ۱۹۳۶ء تک اضلاع میں خصوصاً مرہٹواڑہ اور کرناٹک میں ملازمتی تعلق کی وجہ سے رہنا پڑا اور محکمۂ تعلیمات اور تعلیمی اداروں سے میرے قریبی تعلقات رہے ہیں، مگر کہیں بھی میں نے جبر و استبداد نہیں دیکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مرہٹواڑہ کرناٹک اور تلنگانہ کے طلبہ محض اس وجہ سے کہ انھیں میٹرک میں سہولت ہو اور آسانی کے ساتھ اپنی تعلیم ختم کر سکیں خود ہی اپنی مادری زبان کی کلاسوں سے دور ہوتے گئے اور محض اپنی قابلیت بڑھانے اور آسانی سے امتحانات کامیاب کرنے کے خیال سے اُردو کی طرف مائل ہوتے گئے، ان کے اس ذاتی میلان اور ذاتی فعل کو حکومت آصفی کا جبر سمجھنا تو ظلم ہے۔

عثمانیہ یونی ورسٹی کی افادیت بھی مجیب الرحمٰن صاحب کے پاس شاید مسلم نہ ہو اور اسے بھی وہ آصفی حکومت کا تعصب خیال کریں کہ اُردو زبان کو ذریعۂ تعلیم بنا کر حکومت آصفی نے جبر و استبداد کی انتہا کر دی ہے۔

مجیب الرحمٰن صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ حکومت آصفی نے جہاں اُردو کی ترویج و اشاعت کی ہے وہاں علاقہ واری زبانوں کا تحفظ بھی کما حقہ کیا ہے انتہا یہ کہ ملازمین سرکار، (عہدہ دار، اہلکار، اور سول سروس) کے لئے علاقہ واری زبانوں کے امتحان لازمی تھے چنانچہ زبان ملکی (مرہٹی، کنڑی اور تلنگی) کا امتحان جب تک کامیاب نہ کیا جاتا اضافۂ تدریجی جاری نہ ہوتا تھا، بہر حال حکومت آصفی نے کبھی بھی علاقہ واری زبانوں کی بیخ کنی نہیں کی بلکہ ان کی سرپرستی کرتی رہی۔

مجھے مجیب الرحمٰن صاحب سے نفسِ مسئلہ کی حد تک پورا اتفاق ہے، ظاہر ہے کہ ہمارے بچے اگر صرف اُردو میں حساب کرتے رہیں اُردو ہی تاریخ جغرافیہ وغیرہ ابتدائی جماعتوں میں پڑھیں تو وسطانی اور فوقانی جماعتوں میں وہ ایسے ہی نیاز مند رہیں گے جیسے عہد آصفی میں مرہٹی، کنڑی اور تلنگی کی ابتدائی جماعتوں کے لڑکے رہ جاتے تھے اسی مجبوری کے تحت ان لڑکوں کے والدین نے شروع ہی سے انھیں اُردو پڑھائی البتہ زبانِ دوم کی حیثیت سے وہ مادری زبان سیکھتے رہے، ان کا نمونہ ہمارے پیش نظر ہے، تو پھر ہم وہ غلطی کیوں کریں جو ابتداءً انھوں نے کی تھی۔ کیونکہ آخر میں ہم کو وہی کرنا پڑے گا جو انھوں نے کیا، اس لئے مجیب صاحب کا یہ خیال کہ اُردو کو دوسری لازمی زبان کی حیثیت سے باقی رکھا جائے بہت ہی مفید ہے، کیونکہ تجرباتی مدارس میں اگر اُردو کے لئے انتظام ہو بھی جائے تو وسطانی اور فوقانی تعلیم کے لئے غریب دیہاتیوں کو اپنی اولاد کا شہروں میں رکھنا ناممکن ہے، اس لئے بجائے اُردو جماعتوں کے قیام کے اُردو زبان دوم اور لازمی قرار دی جانے کا مطالبہ کیا جائے تو بہت مناسب ہوگا۔

اب ہمیں ذرا فراخ دلی سے سوچنے کی ضرورت ہے اب ہمارے بچے صرف اُردو پڑھ کر جی نہیں سکتے جس طرح انگریزی لازمی ہے اُسی طرح ہندی بھی ضروری ہے اور وہ جس علاقے میں رہتے ہیں اس علاقے کی زبان بھی ضروری ہے اس لئے بہتر یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کیلئے اس کا مطالبہ کریں کہ ہندی اور علاقائی زبان کے ساتھ ہی ساتھ زبانِ دوم کی حیثیت سے اُردو لازمی قرار دی جائے تو بے انتہا مفید ہوگا۔

AsliAhleSunnet.com

مجیب صاحب نے اپنے مضمون میں پوری بحث کا منطقی نتیجہ یہ نکالا ہے کہ :-

"اُردو مادری زبان والے بچے ریاستی زبان کے ذریعے تعلیم حاصل کریں اور اُردو کو زبان زائد کے طور پر پڑھیں"۔ اس سے مجھے صرف اتنا اختلاف ہے کہ بجائے زائد زبان کے زبانِ دوم اُردو کو قرار دیا جائے یا وہ لڑکے جن کی مادری زبان اُردو ہو اُس کو لازمی زبان کے طور پر پڑھیں تو کافی ہے۔ ہمارا مقصد ہندی سے گریز تلنگی یا کنڑی سے نفرت نہ ہونا چاہیئے بلکہ صرف اپنی مادری زبان کا تحفظ اور اُس کو سیکھنا اور جاری رکھنا ہونا چاہیئے۔

یہ کوشش کہ شروع سے آخر تک ذریعہ تعلیم اُردو ہی رہے اور اس ان ہونی بات کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنی قوت ضائع کی جائے غلط ہے، مجیب صاحب نے جو تحریک کی ہے وہ اس حد تک بالکل درست ہے کہ ہمارے بچوں کے لئے اُردو زبان کی تعلیم کا انتظام ہو جائے اور اُردو زبان دوم کی حیثیت سے سکھائی جائے تو بہت کافی ہے، یقین ہے برادرانِ وطن اس خصوص میں غور فرما کر اپنی رائے ظاہر کرنے میں پس و پیش نہ کریں گے۔

(تمکین کاظمی)

پسندیدہ اشعار کا سلسلہ

ہفت روزہ "ہماری زبان" اس ادارہ میں گزشتہ دو ماہ سے مسلسل آ رہا ہے اور ممبران میں بہت مقبول ہے۔

۱۵ر اگست ۱۹۵۹ء سے "پسندیدہ اشعار" کا جو سلسلہ شروع کیا گیا ہے وہ نہایت دلچسپ مفید اور کار آمد ہے۔ اس سے نہ صرف یہ کہ مقتدر ادیبوں کے ادبی رجحان کا پتہ چلتا رہے گا بلکہ مستقبل قریب میں اس کے پڑھنے والوں کے پاس بہترین اشعار کا ایک قابلِ قدر ذخیرہ اکٹھا ہو جائے گا۔ "ہماری زبان" کی عوامی مقبولیت کی طرف یہ ایک اہم قدم ہے۔ اس حلقہ کے تمام اراکین اس جدت کا خیر مقدم کرتے ہیں۔ (فرخ اختر صدیقی سکریٹری ریڈرس فورم جے پور)

جذباتی توازن

ہماری زبان کے اداریئے جس قسم کی قیادت کی طرف اشارے کرتے ہیں وہ ایک نہایت تعمیری طرزِ عمل کی جھلک ہے میرا ذاتی طور پر یہ خیال ہے کہ اُردو کی سب سے بڑی خدمت یہ ہے کہ اُردو کے پرستاروں میں اور اس کے نقادوں میں جذباتی توازن پیدا ہو تاکہ ہر مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کرنے میں مدد ملے۔ خدا کا شکر ہے کہ آپ نعرے بازوں کو سوچنے کی دعوت دیتے ہیں اور کینہ پروروں کو حق پرستی اور انصاف سکھاتے ہیں۔

(مدن موہن)

لسانی کمشنر کی رپورٹ

لسانی کمشنر کی رپورٹ سے متعلق آپ کا اداریہ پڑھا۔ میں نے بھی وہ رپورٹ پڑھی ہے۔ اُردو سے متعلق اس میں کافی غلط بیانیاں ہیں اور بہت سے پہلوؤں پر کوئی روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔ ضرورت ہے کہ اس رپورٹ کو اُردو میں شائع کیا جائے تاکہ ملک کے اُردو والے جان سکیں کہ ان میں کیا کوتاہیاں ہیں۔ لہٰذا انجمن کو حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیئے کہ اس کا اُردو ترجمہ شائع کیا جائے۔ ۱۴ر جولائی ۱۹۵۸ء کے اعلان نامے میں وزارت داخلہ نے اس کی ہدایت دی ہے کہ اہم قوانین ضابطے اور دوسری چیزیں اُردو میں بھی شائع کی جائیں۔ اور اگر خود وزارت داخلہ اس پر عامل نہیں ہو گی تو ریاستیں کیونکر اس کا خیال رکھیں گی۔ بالفرض محال اگر حکومت رضامند نہ ہو تو خود انجمن کو ایک مختصر کتابچہ شائع کرنا چاہیئے اور تمام ریاستی شاخوں کو بھیجنا چاہیئے کہ وہ اس رپورٹ سے متعلق اپنی رائیں بھیجیں۔

اُردو سے متعلق اب ہمارا رویہ بدلنا بھی چاہیئے۔ حکومت سے شکایت کرنے کے بجائے ہمیں خود اپنی مشکلوں کو دور کرنے کی سعی کرنی چاہیئے۔ فنڈ جمع کرنے کیلئے کیا عام چندے کی اپیل مفید ہو گی؟ اگر ہم کروڑ میں سے صرف ۱۰ لاکھ افراد ایک ایک روپیہ بھیجدیں تو بہت سا کام ہو سکتا ہے۔ اگر انجمن ایسی اپیل کرے تو میرا خیال ہے کہ رائیگاں نہ جائیگی حیدر آباد کے اُردو ہال کی تعمیر اس کی مثال ہے۔ انجمن ترقی اُردو کو شعراء کا انتخاب وغیرہ نہیں شائع کرنا چاہیئے۔ بیسیوں ایسے موضوعات ہیں جن پر اُردو میں کوئی کتاب نہیں اس پر توجہ کی جائے۔

(امیر حیدر)

چند علمی کتابیں

۱۔ قومی تہذیب کا مسئلہ	ڈاکٹر عابد حسین	۶٫۰۰	روپے
۲۔ ہندستانی سماجیات	ڈاکٹر جعفر حسین	۴٫۵۰	"
۳۔ اطلاقی سماجیات	"	۴٫۵۰	"
۴۔ انواع فلسفہ	ظفر حسین خاں	۵٫۵۰	"
۵۔ نفسیات افواہ	ولی الرحمٰن	۱٫۷۵	"
۶۔ کچھ زر کی بابت	ابو سالم	۴٫۵۰	"
۷۔ سیاسیات کے اصول حصہ اول	ہارون خاں شروانی	۲٫۰۰	"
۸۔ " " " دوم	" "	۲٫۰۰	"
۹۔ " " " سوم	" "	۱٫۰۰	"
۱۰۔ اسلامی فن تعمیر	مبارز الدین رفعت	۶٫۰۰	"

پتہ: انجمن ترقی اُردو ہند۔ علی گڑھ

AsliAhleSunnet.com

اُردو دُنیا

اُردو کے متعلق ہائی کورٹ میں ایک اور درخواست

چودھری محمد عظیم الدین اشرف نے ڈسٹرکٹ جج بارہ بنکی کے ان احکامات کے خلاف ایک درخواست الٰہ آباد ہائی کورٹ کی بنچ لکھنؤ میں داخل کی ہے جن کے ذریعہ اُردو کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا تھا اس کی سماعت کے لئے ۱۴؍ستمبر مقرر ہوئی ہے۔

یاد ہوگا کہ چودھری محمد عظیم الدین نے منصف بارہ بنکی کی عدالت میں ۱۴؍جولائی ۱۹۵۸ء کو شریمتی اکبرالنساء کے دعویٰ کے جواب میں جو بیان تحریری داخل کیا تھا وہ اُردو میں تھا اور فارسی رسم خط میں لکھا ہوا تھا جس کو منصف بارہ بنکی نے قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ وہ عدالتی زبان میں نہیں ہے۔

اس حکم کے خلاف چودھری عظیم الدین نے ہائی کورٹ میں درخواست دی اور منصف بارہ بنکی کے حکم کو مسترد کئے جانے کی استدعا کی ان کی درخواست منظور ہوگئی اور منصف بارہ بنکی کا حکم مورخہ ۲۳؍اگست ۱۹۵۸ء مسترد کر دیا گیا اور انھیں ہدایت کر دی گئی کہ وہ بیان تحریری جو اُردو میں تھا قبول کر لیں۔

اس کے بعد ڈسٹرکٹ جج بارہ بنکی نے کچھ ایسے احکامات جاری کئے جن کے ذریعے اُردو کے استعمال کو ممنوع قرار دیا گیا۔ ساتھ ہی ساتھ عرائض نویسوں نے اُردو میں عرضیاں لکھنے سے انکار کرنا شروع کر دیا۔

چودھری محمد عظیم الدین نے اسی مقدمہ میں ایک ترمیم کی درخواست ۸؍اپریل ۱۹۵۹ء منصف بارہ بنکی کی عدالت میں دی جو اُردو زبان اور فارسی رسم خط میں تھی اور اس کے متنے بھی اُردو زبان اور فارسی رسم خط میں تھے۔ لیکن منصف بارہ بنکی نے متنے ہندی میں داخل کرنے کا حکم دیا۔

اس کے علاوہ چودھری محمد عظیم الدین نے جج خفیفہ بارہ بنکی عدالت میں ایک مقدمہ دائر کیا جس میں عرضی دعویٰ اور متنے اردو زبان اور فارسی رسم خط میں داخل کئے۔ جج خفیفہ نے بھی متنے ہندی میں داخل کرنے کو کہا۔

ان حالات سے مجبور ہو کر چودھری محمد عظیم الدین نے ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ بارہ بنکی کو ۲؍جون ۱۹۵۹ء میں درخواست دی اور استدعا کی کہ وہ اُردو کے استعمال کے خلاف اپنے احکامات واپس لے لیں کیونکہ وہ ہائی کورٹ کے فیصلہ کے خلاف ہیں۔ یہ درخواست ۳؍جون ۱۹۵۹ء کو نامنظور کر دی گئی۔

اب ہائی کورٹ میں اس کے خلاف درخواست دی گئی ہے جس کی سماعت آج سے ۱۴ دن بعد ہوگی۔

سخت ہندی کی مخالفت

مسٹر جسٹس جیمس اور مسٹر جسٹس ورما جج الٰہ آباد ہائی کورٹ نے الٰہ آباد کے ایک مجسٹریٹ کے اس رویہ پر سخت نکتہ چینی کی کہ انھوں نے ایک قتل کے مقدمہ میں ملزم سے جو سوالات کئے ہیں وہ ایسی ہندی میں تھے جسے عام طور پر لوگ نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

انھوں نے مقدمہ کا فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ قبل اس کے کہ مقدمہ کا فیصلہ سنایا جائے یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ان ہندی الفاظ کی طرف توجہ مبذول کی جائے جو مجسٹریٹ نے ملزم سے سوال کرتے وقت استعمال کئے مثلاً انیہ پرشن کے ورودھ، یا آروپ ہے، وغیرہ ایسے الفاظ اور جملے ہیں جو عام طور پر یو۔پی کے باشندے نہیں سمجھتے ہیں۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ فاضل وکیل جو مقدمہ کی پیروی کر رہے ہیں انھوں نے بھی اس کا اقرار کیا کہ یہ الفاظ اور جملے عام طور پر نہیں سمجھے جاتے اور سوائے کچھ لوگوں کے مقدمہ کے سلسلے میں کچہری میں آنے والے اکثر لوگ ہندی کے یہ الفاظ نہیں سمجھ پاتے ہیں۔

انھوں نے اپنے فیصلہ میں کہا کہ ہم محسوس کرتے ہیں کہ جب قانون ساز مجلس نے ہندی کو عدالتی زبان قرار دیا تھا تو اس کا مقصد وہ ہندی نہیں تھی جو مجسٹریٹ نے استعمال کی ہے عدالتی کارروائیوں میں ضروری ہے کہ جو زبان استعمال کی جائے وہ ایسی ہو کہ فریقین اسے سمجھ سکتے ہوں خصوصیت کے ساتھ فوجداری کے مقدمات میں۔ کیونکہ اس میں ضروری ہوتا ہے کہ ملزم کو بتایا جائے کہ شہادتوں سے اس کے خلاف کون سے الزامات ثابت ہوتے ہیں اور یہ کام عدالت سوالات کے ذریعے کرتی ہے، اس لئے ضروری ہوتا ہے کہ سوالات ایسی زبان میں کئے جائیں جسے ملزم آسانی سے سمجھ لے۔

فیصلہ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس فیصلے کی ایک نقل حکومت یو۔پی کے پاس روانہ کر دی جائے تاکہ مجسٹریٹ کو مناسب ہدایات جاری کی جاسکیں۔

(قومی آواز لکھنؤ)

AsliAhleSunnet.com

لکھنؤ میں مشاعرہ کی تیاری

اتر پردیش کے ممبران اسمبلی و کونسل کا ایک جلسہ دارالشفا میں بیگم اعزاز رسول کی صدارت میں ہوا جس میں دسمبر کے پہلے ہفتے میں ایک مشاعرہ اور کوی سمیلن کرنے کا پروگرام طے کیا گیا۔

اس سلسلے میں بیگم اعزاز رسول کی کنوینر شپ میں ایک مالیاتی کمیٹی بنائی گئی جس میں مسٹر رام نرائن ترپاٹھی (ڈپٹی اسپیکر) جناب سلطان عالم خاں نائب وزیر، اصطفےٰ حسین خاں صاحب پارلیمنٹری سکریٹری، گووند سہائے، نول کشور، این ایس لبسٹ، عزیز امام، پرتاب چند آزاد، حیات اللہ انصاری، اور رام غلام شامل ہیں۔ جناب حلیم الدین، راحت مولائی ایم ایل اے اور جناب بلاقی رام ورما ایم۔ ایل اے کو بالترتیب مشاعرے اور کوی سمیلن کا کنوینر منتخب کیا گیا۔

بزمِ ادب دلّی کالج دہلی

سید نیاز احمد صاحب سکریٹری اطلاع دیتے ہیں کہ بزم ادب دلی کالج دہلی کی پہلی نشست زیر صدارت محترم جاوید وششٹ منعقد ہوئی، جس میں ضمیر حسن ایم اے اردو سال اول نے میر پر ایک مقالہ پڑھا جس کا عنوان تھا "میر کا خاندانی ماحول اور اس کا اثر ان کی شاعری پر" محمد صالحین۔ صفیہ شاہین، اسمیٰ سعیدی، اور جناب ظہیر احمد صدیقی لکچرار دلی کالج شعبۂ اردو نے مقالے پر تنقید کی۔

ترقی پسند ادبی سوسائٹی لکھنؤ کا جلسہ

باقر رضوی ادیب صاحب سکریٹری اطلاع دیتے ہیں کہ ترقی پسند ادبی سوسائٹی لکھنؤ کی ایک نشست سٹی کمپ ہال عنا۱۱ وکٹوریہ اسٹریٹ میں زیر صدارت جناب منظر لکھنوی منعقد ہوئی۔ پروگرام کے مطابق نوجوان ادیب آفتاب اختر تلہری نے ایک کہانی "مشاہدہ باجی" سنائی۔ اقبال مجید صاحب نے افسانہ "زخم اور ٹانکے" پڑھا۔ عمر انصاری صاحب نے ایک غزل سنائی۔ آخر میں سروش عسکری صاحب طباطبائی نے اپنی نئی نظم "واپسی نینی تال" سنائی۔ تمام تخلیقات پر سیر حاصل تبصرہ ہوا تبصرہ میں مندرجہ ذیل حضرات نے حصہ لیا علی عباس حسینی اقبال مجید، رتن سنگھ۔ اختر علی تلہری۔ آغا سہیل بزار لکھنوی، احمد جمال پاشا۔ نہال رضوی۔ یوسف رسولی۔ حکیم شارب لکھنوی۔ اقبال عمر آفتاب اختر تلہری، عمر انصاری، سروش طباطبائی۔ عارف کمال الیوبی بستوکما مصرا، ذاکر لکھنوی۔ کاظم علی خاں۔ احتشام حسین۔ احمد عباس۔

اودھ پنچ کے تیسرے دور کا افتتاح

لکھنؤ میں یکم ستمبر کو اودھ پنچ کے تیسرے دور کا افتتاح اُردُو کے مشہور نقاد سید احتشام حسین صاحب نے ایک ادبی اجتماع کے موقع پر کیا۔ جلسہ کی صدارت جناب علی عباس حسینی کر رہے تھے۔ احتشام صاحب نے مختصر الفاظ میں اودھ پنچ کے اس اہم رول کا ذکر کیا جو اس نے طنز و مزاح کی تاریخ میں ادا کیا تھا۔ شرکائے جلسہ کو اودھ پنچ کے تیسرے دور کے پہلے شمارے کی کاپیاں تقسیم کی گئیں۔

اُردو کی نویں جماعت کا افتتاح

نرائن کھیڑ میں اُردو کی نویں جماعت کے افتتاح کے ایک تقریب منعقد ہوئی جس کی صدارت جناب باپوراؤ نے فرمائی۔ رکن اسمبلی جناب ایاراؤ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ ہندوستان بالخصوص آندھرا پردیش میں اُردو محفوظ ہے اور اس میں کسی قسم کی تشویش کی ضرورت نہیں ہے۔ آندھرا پردیش میں جہاں کہیں اردو داں طلبہ کی مقررہ تعداد ہو حکومت نئی جماعت کھولنے کو تیار ہے جلسہ میں شیوراؤ صاحب وٹھل ریڈی صاحب اور امام الدین صاحب نے بھی تقریریں کیں۔ محمد اسمٰعیل صاحب، اور عبدالعزیز صاحب مدرسین نے تعلیم کا آغاز کیا۔

اُردو مٹ نہیں سکتی

ماہ اگست میں پرائمری اسکول سدی پیٹھ میں دوسری جماعت ہندستانی کا افتتاح کرتے ہوئے راجہ شام کرن ڈپٹی کلکٹر سدی پیٹھ نے کہا کہ اُردو انتہائی شیریں زبان ہے جس کا کوئی زبان مقابلہ نہیں کرسکتی اور اُردو کی ترقی کے لئے کام کرنا ہر ہندستانی کا فرض ہے۔ جلسہ میں مددگار مہتمم پولیس شری کے ایس راما راؤ منصف مجسٹریٹ شری ایس، پی راما راؤ تحصیلدار سدی پیٹھ جناب مہدی علی خاں، جناب انور ادیب کنوینر (انجمن ترقی اُردو میدک) اور جناب سورتی بھی موجود تھے۔ اسی شب جشن آزادی کی خوشی میں شعر و سخن اور نغمہ کی ایک محفل راجہ شام کرن کی صدارت میں منعقد ہوئی۔ منصف مجسٹریٹ جناب ایس پی راما راؤ نے کہا کہ اُردو زبان کی مخالفت کرنے والا انتہائی بدبخت ہندوستانی ہوگا۔ اُردو مٹ نہیں سکتی بلکہ اور اُبھرے گی۔

"ہماری زبان" کی سالانہ قیمت تین روپے ہے
وی پی سے ۱۰ر اور منی آرڈر سے ۲ر صرف آتا ہے۔

AsliAhleSunnet.com

شعرا اور مشاعرے

:(اعجاز صدیقی):

۱۵ر جون ۱۹۵۹ء کے "ہماری زبان" میں جناب عبد المجید سرور کا ایک مراسلہ "ترنم یا گلے بازی" کے عنوان سے شائع ہوا تھا، جس میں میرا بھی ذکر تھا اور یہ کہ میں ترنم سے شعر خوانی کا مخالف ہوں۔ در اصل یہ میرے طویل "اداریے" کی ایک جزوی بات ہے۔ میں ترنم یا موسیقی کا ہرگز مخالف و منکر نہیں۔ خود کم و بیش اٹھائیس سال تک ترنم سے شعر پڑھتا رہا ہوں۔ ہاں ادھر کچھ دن سے ایسے عام اجتماعات میں، جن میں ہزاروں عوام و خواص شریک ہوں اور ایسے شعرا بھی جن کے گلے نور علیٰ نور، میں نے جماعتی وقار کی خاطر دانستہ تحت اللفظ پڑھنا شروع کر دیا ہے اور اس پر سختی سے کاربند ہوں۔ لیکن مخصوص نشستوں میں جہاں ترنم پسند نہیں بلکہ شعر پسند اہل علم ہوں، وہاں ترنم سے پڑھنے میں مجھے کوئی عار نہیں۔ اچھا شعر خواہ ترنم سے پڑھا جائے یا تحت اللفظ، اُس کی داد ضرور ملتی ہے۔ تحت اللفظ شعر خوانی سے شعر کے خد و خال کچھ اور اُبھرتے ہیں۔ شعر کے صحیح جذبے اور وقار کا اندازہ ہوتا ہے۔ شعر کو مجسم کیا جا سکتا ہے۔ اُردو کی عوامی اور رزمیہ شاعری پیش کرنے والے قدیم و جدید شعرا کی شعر خوانی کی طرف ایک نظر ڈالنے کی ضرورت ہے۔ کچھ انگریزی زبان کی شاعری ہی پر منحصر نہیں۔ تحت اللفظ شعر خوانی کا اُتار چڑھاؤ موسیقی کے زیر و بم سے کہیں زیادہ صحت مند اور بہتر ہوتا ہے۔ میرا مقصد کیا ہے اس کی تشریح میرا یہ اداریہ کرے گا۔ — اعجاز صدیقی

جنوری ۱۹۵۹ء کے "شاعر" میں اُردو مشاعروں سے عوام و خواص کی گہری دلچسپی کا ذکر کیا گیا تھا اور یہ عرض کیا گیا تھا کہ مشاعروں کی اس مقبولیت سے اُردو کی ترویج و ترقی کی راہیں نکالی جائیں، ان میں افادی پہلو پیدا کیے جائیں۔ عوام کے سامنے ایسے افکار و خیالات پیش کیے جائیں، جو زندگی سے قریب ہوں، جن میں روحِ عصر پوشیدہ ہو، جو ہمارے سماجی شعور، اخلاقی معیار اور روحانی اقدار کو بڑھائیں۔ انسان کو گمراہیوں سے بچائیں، دلوں کو ایک لازوال سرخوشی بخشیں، بے پناہ مسرت، غیر معمولی حوصلہ اور ضبط و فکر عطا کریں۔ شاعری نہ محض وعظ و پند ہو سکتی ہے اور نہ سامانِ نشاط و احتظاظ۔ کم از کم اُردو مشاعروں میں اُردو شعرا کو ایسا کلام سُنانا چاہیے جو سچے وارداتِ قلبی کا آئینہ دار ہو۔ جو سامعین پر دیرپا اثرات چھوڑے، جو ایسی صداقتوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہو جن سے کسی طرح انکار نہ کیا جا سکے۔ شاعر کے دل کی بات سب کے دل کی بات معلوم ہو۔ سُننے والا محض ہنس کر اُسے نہ ٹال دے۔ صرف خلا میں حُسن و عشق کے تیر نہ چھوڑے جائیں۔ واعظ کی پگڑی اُچھال کر اور رقیب کو روسیاہ بنا کر سامعین کی دل بستگی کا سامان مہیا نہ کیا جائے۔ عام طور پر آج کل مشاعروں میں شعرا لَے اور سُر کے ساتھ انتہائی سطحی قسم کے خیالات پیش کرتے ہیں اور اُن قہقہوں کو دادِ کلام سمجھتے ہیں جو فطری طور پر ایسے اشعار سُننے کے بعد ہر شخص کے لبوں پر کھیلنے لگتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ کم از کم عوام چٹخارے دار شاعری کے مقابلے میں کسی فکری اور کام کی چیز کو پسند نہیں کر سکتے۔ دھم، پنچم گلے کی مُرکیوں، ہاتھوں کے رقص اور آنکھوں کی شوخیوں کی بھلا کون داد نہ دے گا؟ نتیجتاً مشاعرہ سستے قسم کی قوالی بن کر رہ جاتا ہے۔ آج کل شاید ہی کوئی مشاعرہ ایسا ہوتا ہو جس میں خواتین شریک نہ ہوتی ہوں۔ ہمارے شعرا کے معاملاتی اشعار اُن کی نگاہوں کو بھی جھکا دیتے ہیں۔ نوجوانوں میں ایک ہوس کارانہ جذبہ پیدا کر دیتے ہیں۔ چنانچہ سنجیدہ فکر شعرا انتہائی ناکام رہتے ہیں۔ اُنھیں کوئی پوچھتا تک نہیں۔ ہر گلے باز شاعر اپنے سطحی اشعار دس دس بار پڑھتا ہے، بلکہ یوں کہیے کہ پڑھوایا جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ہر شاعر کی فکر کا انداز جُداگانہ ہوتا ہے، ہر شاعر میرؔ و غالبؔ، اقبالؔ و جوشؔ، حسرتؔ و سیمابؔ، یگانہؔ و فانیؔ تو نہیں بن سکتا پھر بھی یہ ضرور ہو سکتا ہے کہ اُردو کے لاکھوں شعرا ایک حد تک اپنی فکر میں سنجیدگی اور بلندی پیدا کریں تاکہ اُردو شاعری کا وہ معیار پست نہ ہو جو اس کی ایک عظیم روایت بن چکا ہے۔ فکر و معیار کی یہ روایت آج کے دَور میں بُری طرح مجروح ہو رہی ہے۔ اُردو شعرا کی بہتات کا سب سے بڑا سبب یہی ہے کہ آج مشاعروں میں چلتی ہوئی شاعری عوام کا مزاج بنتی جا رہی ہے۔ ایک معمولی خوش گلو شاعر کی زبان سے ہجر و وصال کی جھوٹی باتیں سُن کر کسی بڑے سے بڑے شاعر کی کام کی بات سُننا کوئی گوارا نہیں کرتا۔ ایسے موقعوں پہ سنجیدہ شعرا کو حد درجہ ندامت اور پریشانی ہوتی ہے اور اب تو بانیانِ مشاعرہ بھی اُسی شاعر کو زیادہ سے زیادہ نوازتے ہیں جو اپنے گلے اور اپنی اداکاری سے عوام کے دلوں کو بے قابو کر دے۔ جسے پڑھنے کے لیے مجمع بار بار اصرار کرے اور جو خود بار بار تکلّف و تصنّع کا مظاہرہ کرے جو پورے "میک اَپ" کے ساتھ بجلی کے قمقموں کی تیز روشنی میں سامنے آئے،

AsliAhleSunnet.com

خواہ اُس کی فکر میں دوسروں ہی کا ہاتھ کیوں نہ ہو۔ آج ہر گویّا بہترین شاعر سمجھا جاتا ہے۔ گانے اور ترنم کا فرق مٹ چکا ہے۔ بکثرت ایسے شعرا پیدا ہو چکے ہیں جو پہروں گانے کی مشق کرتے ہیں اپنی غزلوں کی دُھنیں نکالتے ہیں۔ دورانِ مشاعرہ میں ہلکے ہلکے گنگناتے رہتے ہیں۔ اُن کی بلا سے کوئی کتنا ہی اچھا شعر کیوں نہ پڑھے، وہ صرف اپنی کامیابی کے احساس کو اپنے سینے سے لگائے گنگنانے میں محو رہتے ہیں، تاکہ اپنی دُھن نہ بھول جائیں۔ موسیقی بہت اچھی چیز ہے۔ خوش گلو ہونا ایک نعمت ہے گلوں کا سحر قابلِ قدر و داد ہوتا ہے۔ گا کر پڑھنے سے شعر کا اثر کچھ اور ہو جاتا ہے لیکن اکثر یہی دیکھا گیا ہے کہ شعر کی داد کم اور گلے کی داد زیادہ ملتی ہے۔

ایک طرف شعر پسند طبیعتوں کے سستے مذاق کا یہ عالم ہے دوسری طرف یہ حال کہ سنجیدہ فکر مشاہیر شعرا کے بغیر کوئی مشاعرہ بڑا مشاعرہ نہیں سمجھا جاتا۔ اُنھیں بہر طور شرکت کے لئے مجبور کیا جاتا ہے اور جب وہ شریک ہو جاتے ہیں تو اُن کی مٹی پلید کی جاتی ہے۔ اُن کے فکر و فن کی داد نہیں دی جاتی اور کبھی کبھی تو اتنی بیداد ہوتی ہے کہ وہ دو چار شعر پڑھ کر ہی بیٹھ جاتے ہیں۔ اُن کی وہ شاعری جو ادب کا بہترین سرمایہ کہی جا سکتی ہے اس طرح ہوٹنگ یا عدم توجہی کی نذر ہو جاتی ہے کہ اُنھیں مشاعروں سے نفرت ہونے لگتی ہے وہ مشاعرہ گاہ سے اُٹھ کر چلے آتے ہیں یا پھر اسٹیج کے کسی گوشے میں خاموش بیٹھ جاتے ہیں۔ اُن کی شخصیت دب کر رہ جاتی ہے اور عظمت مجروح ہو جاتی ہے۔

اب تو سستی شہرت کے دلدادہ شعرا ایک اور حرکت کے عادی ہو گئے ہیں۔ وہ بیرونی اور مقامی مشاعروں میں اپنے احباب کے ذریعے دوبارہ اور سہ بارہ پڑھنے کی آوازیں لگواتے ہیں ان سے اپنی مختلف غزلوں اور نظموں کی فرمائشیں زبانی یا کاغذ کے پُرزوں پر لکھ کر صدر مشاعرہ کے پاس بھجواتے ہیں۔ راقم الحروف نے تو یہاں تک دیکھا ہے کہ یہ شہرت پسند اور عوامی مذاق کو بگاڑنے والے شعرا پھولوں کے ہار، سونے اور چاندی کے میڈل، تحفے اور تحائف تک دورانِ مشاعرہ میں ایک طے شدہ پروگرام کے تحت اپنے احباب کے ذریعے قبول کرتے ہیں۔ پھر خود مشاعروں کی روداد لکھوا کر اخبارات کو بھجواتے ہیں اور دل کھول کر اپنی تعریف اپنے قلم سے کرتے ہیں۔ کبھی صدرِ مشاعرہ سے ساز باز کی جاتی ہے کبھی سکریٹری کو توڑا جاتا ہے، کبھی چند شعرا کو شیشے میں اُتار لیا جاتا ہے اور دوسرا مصرع ختم ہونے سے پہلے ہی نہایت مہمل اشعار پر بہت سے گلے ایک ساتھ چیخنے لگتے ہیں۔ ایک قیامت برپا ہوتی جاتی ہے۔ اب یہ وبا ریڈیو کے سرکاری مشاعروں تک میں عام ہوتی جا رہی ہے اور اس کی تصدیق وہ خطوط اور وہ شکایتیں کر سکتی ہیں جو اسٹیشن ڈائریکٹروں کو وصول ہوتی ہیں۔ اس سلسلے کی سب سے زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ شعرا آپس میں ایک دوسرے کو انتہائی بخل سے داد دیتے ہیں یا تو اسٹیج پر بیٹھ کر یہ باتوں میں مصروف رہتے ہیں یا پھر اس طرح داد دیتے ہیں کہ لب ہل رہے ہیں اور آواز غائب !!

اگر ہمیں اُردو شاعری کا معیار بلند رکھنا ہے، اُردو مشاعروں کو پستی میں جانے اور عوام کے ہاتھوں کا کھلونا بننے سے روکنا ہے تو ہر اُردو شاعر کو اپنی جگہ پوری سنجیدگی سے سوچنا چاہیئے اور ان رجحانات میں جلد کوئی تبدیلی لانی چاہیئے۔ اس سلسلے میں چند اصلاحات جو ہندوستان کے شعرا مل جل کر بآسانی کر سکتے ہیں، یہ ہو سکتی ہیں۔

(۱) مشاعروں میں گا کر غزلیں نہ پڑھی جائیں۔ تمام شعرا تحت اللفظ پڑھیں۔ ہمیں اس بات کی زیادہ سے زیادہ تبلیغ کرنی چاہیئے۔ بلکہ خود عمل کرنا چاہیئے۔

(۲) یا مشاعرے کے دو حصے کر دیئے جائیں، پہلے اُن شعرا کا کلام سُنا جائے جو تحت میں پڑھتے ہیں اور پھر مترنم شعرا کو زحمتِ غزل سرائی دی جائے۔

(۳) معاملاتی اشعار سے گریز کیا جائے۔

(۴) فکرِ تازہ پیش کرنے کی امکانی کوشش کی جائے۔

(۵) سامعین کے ہاتھوں میں کھلونا نہ بنا جائے اور بار بار پڑھنے سے گریز کیا جائے۔

(۶) ہر شاعر، دوسرے شاعر کے اشعار پر دل کھول کر فن کارانہ داد دے۔

(۷) اختلافات کے باوجود مشاعرے میں بیٹھ کر ایک بلند اخلاق فن کار کی طرح دوسرے فن کاروں کی عزت و عظمت کا خیال رکھا جائے۔

شعری ادب

۱۔ انتخاب کلام میر	مرتبہ عبدالحق	۲٫۵۰ روپے
۲۔ کاغذی پیرہن	خلیل الرحمٰن اعظمی	۲٫۷۵ "
۳۔ انتخاب جدید	مرتبہ آل احمد سرور	۳٫۰۰ "
۴۔ نوائے ظفر	خلیل الرحمٰن اعظمی	۳٫۲۵ "

پتہ: انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

AsliAhleSunnet.com

انجمن کی خبریں

مین پوری میں شاخ کا قیام

انجمن ترقی اُردو کی شاخ قائم کرنے کی غرض سے ایک جلسہ مین پوری شہر (اترپردیش) میں منعقد کیا گیا۔ شرکائے جلسہ نے یہ محسوس کر کے مسرت ظاہر کی کہ شہر اور اطراف شہر میں لوگوں کے دلوں میں اُردو کا شوق موجود ہے یہاں کے مشاعروں میں دور دور کے شاعر بلائے جاتے ہیں اور سامعین کثیر تعداد میں جمع ہو جاتے ہیں۔ جلسے نے انجمن ترقی اُردو ہند کی شاخ قائم کرنا طے کیا جب ذیل عہدہ داران منتخب ہوئے:۔

(۱) جناب ابن علی ترمذی صدر۔ (۲) جناب عبد القیوم نائب صدر۔ (۳) سید غلام السبطین نوز جنرل سکریٹری (۴) جناب اسرار احمد دل جوائنٹ سکریٹری۔ (۵) جناب عبد المبین، اسسٹنٹ سکریٹری۔ (۶) جناب وزارت حسین پروپیگنڈا سکریٹری (۷) غلام شبیر صاحب عرف بابو خازن۔

محفل سخن

وحید مرزا صاحب معتمد انجمن اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن ترقی اُردو شاخ نظام آباد کے زیر اہتمام ایک محفل شعر و سخن جشن آزادی کے سلسلہ میں بصدارت سری رائے ہرپرشاد نائب ناظم آبکاری ٹاؤن ہال نظام آباد میں منعقد ہوئی جس میں خیال، افتخار، واحد، معین، ذبیح، ناظر، صالح خضری، ورما، رفیق حیدرآبادی، عابد انصاری، راحل، سالک، ابوالخیر صہبا، وحید مرزا، رائے جسونت رائے منصف مجسٹریٹ بودھن اور صدر مشاعرہ رائے ہرپرشاد صاحب نے اپنے کلام سے سامعین کو محظوظ کیا۔

دیگلور میں "تحریک کتاب دان"

انجمن ترقی اُردو دیگلور ضلع ناندیڑ کی جانب سے یہاں پر ایک عام کتب خانہ عرصہ دراز سے بلالحاظ مذہب و ملت علمی خدمت انجام دے رہا ہے۔ اس کتبخانہ کا افتتاح شری شنکر راؤ چوہان ڈپٹی منسٹر ریونیو بمبئی اسٹیٹ نے فرمایا تھا۔ جناب جوش محمد آبادی نے اپنے رفقائے کار کے تعاونِ عمل کے ساتھ آغاز سال ۵۹ء سے یہاں پر کتب خانہ کے لئے ایک مہم موسوم بہ "تحریک کتاب دان" کا آغاز فرمایا تھا۔ مدح کی شبانہ روز جد و جہد اور شخصی دلچسپیوں کی وجہ سے یہ تحریک انتہائی کامیابی کے ساتھ جاری ہے۔ اس تحریک کے سلسلے میں سینکڑوں نئی اُردو کتابیں جمع کی گئی ہیں اور اس کا سلسلہ ہنوز جاری ہے ۸ ماہ کے عرصے میں اندازہ ہے کہ لگ بھگ پانچسو روپے سے زائد مالیت کی کتابیں خریدی گئیں۔ کتبخانہ کے ارکان کی تعداد بھی بڑھ رہی ہے اور لوگوں میں کتب بینی کا ذوق پیدا ہو چلا ہے۔ متعدد روزنامے، ہفتہ وار اخبارات اور رسائل کتب خانہ میں آتے ہیں لیکن زیادہ تر اُردو نواز مدیران جرائد نے اپنے اپنے جرائد کو مفت جاری کیا ہے۔ لطفِ خاص یہ ہے کہ اس کتب خانہ کو نہ تو حکومت سے تاحال کوئی مدد ملی اور نہ مجلس بلدیہ سے کسی قسم کا گرانٹ منظور ہے۔ لیکن باہمت اُردو دانوں، اُردو دوستوں کا اس کتب خانہ کو تعاون عمل حاصل ہے۔

(آفس سکریٹری انجمن ترقی اُردو دیگلور)

پسندیدہ اشعار

(مجنوں گورکھپوری)

پاس ناموس عشق تھا ورنہ — میر — کتنے آنسو پلک تک آئے تھے

دور بیٹھا غبار میر اُس سے — 〃 — عشق بن یہ ادب نہیں آتا

مرے سلیقے سے میری نبھی محبت میں — 〃 — تمام عمر میں ناکامیوں سے کام لیا

کوئی دیکھے تو کیا یہ سرزمیں مجنوں کا مدفن ہے — انعام اللہ خاں یقین — چلی آتی ہیں شور انگیز بادیں اس بیاباں سے

نہ لائی شوخی اندیشہ تاب رنج نومیدی — غالب — کف افسوس ملنا عہد تجدید تمنا ہے

نہ کرتا کاش نالہ مجھ کو کیا معلوم تھا ہمدم — 〃 — کہ ہوگا باعث افزائش درد دروں وہ بھی

انداز نالہ یاد ہیں سب مجھ کو پر اسد — 〃 — جس دل پہ ناز تھا مجھے وہ دل نہیں رہا

سنگ و آہن بے نیاز غم نہیں — فراق — دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

ازل بھی اپنی پرچھائیں ابد بھی روشنی اپنی — 〃 — محبت میں کمی کیا موت اپنی زندگی اپنی

بہاریں ہم کو بھولیں یاد اتنا ہے کہ گلشن میں — معز علی حسرت — گریباں چاک کرنے کا بھی اک ہنگام آیا تھا

AsliAhleSunnet.com

بقیہ: حضرت ہری کرشن راز بلند شہری

(غزل دیگر)

روشِ زیست کوئی سیکھ لے دیوانے سے
نہ یگانے سے تعلق ہے نہ بیگانے سے

بے خود کیف تری لغزشِ پیہم کے نثار
اور نزدیک ہوا جاتا ہے میخانے سے

بھول جا سجدۂ پُر شوق میں اپنی ہستی
یہ سبق ملتا ہے عشاق کو پروانے سے

مستی اور سبحہ شماری کرو اللہ اللہ
بادۂ شوق کہیں بٹتی ہے پیمانے سے

بارہا دفترِ ہستی کا ہر اک لفظ پڑھا
کبھی سیری نہ ہوئی زیست کے افسانے سے

زیر و بم نغمۂ قدرت کے ہیں اضداد جہاں
وجد کونین کو ہے اس کے طرب خانے سے

خود کو کھو دیتے ہیں گر۔ تو اسے پا جاتے ہیں
رازؔ چھپ جاتا ہے وہ ہوش کے آجانے سے

(غزل دیگر)

ابتدا ہے انتہا ہے بیکراں ہے زندگی
پرتوِ حُسنِ ازل ہے لامکاں ہے زندگی

ہے رواں ہر سو رواں گاہے عیاں گاہے نہاں
خضروں کے ابر میں برقِ طپاں ہے زندگی

پاس اپنے تو نہ آنے دے خودی کو بھول کر
ورنہ تیرے واسطے سوہانِ جاں ہے زندگی

رفتہ رفتہ بامِ رفعت پر پہنچ ہی جائیں گے
شوقِ صادق کے لئے اک نردباں ہے زندگی

زندگی ہے زندگی جب رازؔ اس کا کھل گیا
ورنہ اک افسانۂ سود و زیاں ہے زندگی

اس غزل کا مقطع بے پناہ ہے۔ زندگی کا راز جس خوبی سے کھولا گیا ہے وہ قابلِ صد داد ہے۔ کسی نے لاکھوں روپے چھوڑے یا کوئی عالمِ مفلسی میں مرگیا۔ دونوں صورتوں میں زندگی اک افسانہ ہے۔ ہاں جس نے رازِ زندگی پالیا وہ مہاتما گوتم بدھ کی طرح ہمیشہ کیلئے امر اور باعثِ تقلید ہو گیا۔

حضرت رازؔ کا صوفیانہ کلام ان صوفی شعرا کے کلام کے مانند نہیں جو محض سُنے سنائے صوفیانہ مضامین سے اپنے کلام کو مزین کرتے ہیں۔ اس حقیقت کا واضح ثبوت یہ ہے کہ ان شعرا کی غزلوں میں صرف دو ایک شعر اعلیٰ درجے کے مضامین تصوف کے ہوں گے۔ باقی تمام غزل عشق مجازی اور سفلی جذبات سے بھری ہو گی۔ کہیں معشوق کی شکایت کریں گے تو کہیں شیخ و واعظ سے ہاتھا پائی ہو گی۔ کہیں جورِ فلک کا شکوہ ہوگا تو کہیں معشوق کی سنگدلانہ حرکتوں اور رقیب نوازی کا رونا ہو گا۔ چونکہ ان شعرا کا دل دنیوی جذبات و افکار کے دام میں پھنسا ہوا ہے اس لئے ان کی شاعری کا کثیر حصہ پست جذبات سے لبریز ہو گا۔

حقیقت یہ ہے کہ تصوف کی صحیح روح اُن شعرا کے یہاں ملے گی جو شاہراہ معرفت کی منازل عملی طور پر طے کرتے ہیں اس لئے عالمِ مراقبہ میں جو وہ دیکھتے اور محسوس کرتے ہیں وہی لکھ جاتے ہیں۔ یہ اشعار رہروانِ شاہراہ معرفت کے لئے تو مشعلِ ہدایت کا کام کرتے ہیں مگر کم استعداد لوگوں کے لئے بعض اوقات معمّا بن جاتے ہیں۔ اب جناب رازؔ کے کلام کو دیکھئے جس سے ان کے منازل معرفت سے عملی طور پر واقف ہونے کا راز کھلتا ہے۔ ؎

جب دل سے شرر نکلے تب طور بھڑک اُٹھا
غفلت میں وہ دیکھا جو ظاہر میں نہ دیکھا تھا

اہلِ تصوف کے حلقے میں مبتدی کو شروع میں دل پر نظر جمانے کی مشق کرائی جاتی ہے۔ کچھ عرصے کی مشق کے بعد جب دل میں روشنی ظاہر ہوتی ہے تو اسی وقت مقام طور میں بھی روشنی نظر آتی ہے۔ اصطلاحِ تصوف میں طور اس مقام کو کہتے ہیں جہاں دونوں ابرو اور ناک کا بالائی سرا ملتے ہیں جس کو ہندو لوگ ترکٹی کہتے ہیں۔ اگر تصوف سے عملی طور پر ناواقف لوگ اس شعر میں حضرت موسیٰ اور کوہِ طور کی تلمیح پائیں گے۔ اس منزل کے طے کرنے میں آنکھ کی پتلی پلٹ جاتی ہے جس کو چشم باطن کا وا ہونا کہتے ہیں۔ جب عامل کو اس پر قدرت حاصل ہو جاتی ہے تو اس کو ہزاروں میل کے فاصلے کی چیزیں نظر آنے لگتی ہیں۔ اب اس غزل کا دوسرا شعر ملاحظہ ہو ؎

ترقی پسند ادب

سردار جعفری

(نیا ایڈیشن ترمیم و اضافے کے ساتھ)

اس کتاب میں ترقی پسند تحریک کا تاریخی جائزہ لیا گیا ہے۔ اس کے مطالعے کے بغیر جدید اُردو ادب کا مطالعہ نامکمل ہے۔ ۳ر۷۵ روپے

انجمن ترقی اُردو ہند۔ علی گڑھ

AsliAhleSunnet.com

نہ ہوش میں تھا جب تک ڈھونڈھا ہی کیا اس کو
پتلی کے پلٹتے ہی آغوش میں تنہا تھا

اس حالت میں عامل پر بظاہر بے ہوشی کا عالم طاری ہوتا ہو کسی حقیقت سے نا آشنا شاعر نے کہا ہے ؎

طور نے جل کے کہا غش میں پڑے ہو موسیٰ
جلوۂ یار کا کیا خاک تماشا دیکھا

اس غریب کو یہ معلوم نہیں کہ حضرت موسیٰ عالم غشی میں جلوۂ یار کا تماشا دیکھ رہے تھے۔ ان تینوں اشعار کے تقابل سے عامل اور غیر عامل صوفی کے کلام کا فرق ظاہر ہو جاتا ہے۔

حضرت رازؔ کے کچھ اور اشعار بھی اس رنگ کے سُن لیجیے۔ ؎

روشن ضمیر ہو گیا عکس جمال سے
حاصل کمال ہو گیا قرب کمال سے
جو راز تھا مجاز کا وہ راز ہی رہا
یہ عقدہ حل کبھی نہ ہوا قیل و قال سے
تنویر حُسن عشق کی شانِ جمال تھی
یہ راز کُھل گیا ہے کسی کے وصال سے

دل کی تجلّیات ہیں شمع رہِ فنا
اب ہم کو کوئی حاجتِ شمس و قمر نہیں

حدودِ وہم سے باہر اگر اپنا قدم نکلے
تو بن جائیں وہ مجنوں جس پہ لیلیٰ کا بھی دم نکلے
فنا ہو کر وہ پائی زندگی جس سے قدامت میں
کبھی روحِ قدم نکلے کبھی جانِ عدم نکلے

فنا کی روشنی نے بیخودی میں صاف دکھلایا
سوادِ منزل دل میں مکانِ لامکاں مجھ کو

جناب رازؔ نے صرف صوفیانہ مضامین ہی نہیں لکھے بلکہ دور حاضر کی سائنٹفک حقیقتوں سے بھی اپنے اشعار کو زینت دی ہے۔ یہ بات اُردو غزلیات میں بالکل نئی ہے۔ سائنسی انکشافات کے خشک مضامین کو تغزل کی رنگ آمیزی سے دل کش و دل فریب بنانا آپ کا ہی حصّہ ہے۔ ساتھ میں اپنے مخصوص فلسفیانہ و صوفیانہ رنگ کو بھی قائم رکھا ہے۔

حرکت سے زندگی ہے سکوں ہے نشانِ مرگ
چلتی حیات تو ہے ہر اک انتقال سے

محیطِ دائرہ تھے نقطۂ مرکز پہ جب پہنچے
نہ وہ وہ تھے نہ ہم ہم تھے۔ جو وہ نکلے وہ ہم نکلے

آوازِ قلب پر ہیں رواں جانبِ عدم
جس میں نہ ہو صدائے جرس کارواں نہیں

سازِ دل سے نغمۂ خود رفتگی نکلے گا جب
خود بخود اُٹھ جائے گا پردہ حریم ناز کا

خود کو کسی تھیٹر میں جہاں ابھی تماشہ شروع نہیں ہوا ہے بیٹھا ہوا تصور فرمالیجیے۔ چونکہ پردہ اُٹھنے کا وقت قریب آرہا ہے اس لئے آرکسٹرا (ORCHESTRA) سے ساز بجنے شروع ہوتے ہیں اور وقت معینہ پر تھیٹر کا ابتدائی پردہ خود بخود اُٹھ جاتا ہے اور نظاروں سے آنکھیں لُطف اندوز ہونے لگتی ہیں۔ اس حقیقت کو مد نظر رکھ کر اس شعر کا لُطف لیجیے۔

موجِ جذبات کا رُخ کر کے سوئے ماہِ حق
مدّ و جزرِ دل سے اک عالم کو حیراں کیجیے

شیشۂ دل سے عیاں نور کی کرنیں ہوتیں
منعکس مہر صفت گر رُخِ جاناں ہوتا
ہے شبِ تار کے پردے میں نہاں نور قمر
کاش ظلمت سے طلوع مہ عرفاں ہوتا

قمقمے سب دل کے روشن خود بخود ہو جائینگے
ضو فگن ہو برق وہ انداز پیدا کیجیے

اک فلم کی صورت ہے یہ زندگی گزراں
انسان کی یہ ہستی۔ یادوں کا فسانہ ہے

(زندگی گزران کو فلم کی چلتی ریل سے تشبیہ دینا اور یادوں کا فسانہ کہنا بالکل نئی بات ہے)

تبدیل ہونے والے ہیں دہر کے مناظر
جس جا پہ روشنی ہے پنہاں وہیں ہو ظلمت

دیکھئے، [illegible] علامت بڑی کی [illegible] ختم ہو جائے گی۔ [illegible] ہماری زبان [illegible] منی آرڈر [illegible] سلسلہ جاری رہے۔
منیجر

AsliAhleSunnet.com

حضرت راز صرف غزلیں ہی نہیں بلکہ مسلسل نظمیں بھی کہتے ہیں جو نہایت موثر اور سبق آموز ہوتی ہیں۔ حضرت جگر بریلوی کی طرح آپ کو بھی منظر کشی میں کمال حاصل ہے۔ اشعار ذیل آپ کی نظم ماہ پھاگن سے ماخوذ ہیں۔ پھاگن کے مہینے میں جو موسم بہار کا مہینہ ہے ہندوؤں کا مشہور تیوہار ہولی ہوتا ہے۔ چونکہ غیر ہنود کو اس تیوہار کی جزئیات کا عموماً علم نہیں ہوتا اس وجہ سے محاکاتی لطف انکو حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ہولی کے متعلق ان کے اشعار نظر انداز کرتا ہوں۔ صرف چند بطور نمونہ حاضر ہیں۔

ـــــــ:(ماہ پھاگن):ـــــــ

ماہ پھاگن کا ہے اثر ایسا
جیسے چڑھتا ہو سر میں نشہ سا

آگیا اعتدال پر موسم
زور وہ اب نہیں ہے سرما کا

موسمِ گل کے خیر مقدم کو
سج گئے سارے گلشن و صحرا

کُہرے کے رنگ کا لباس کُہن
حدتِ آفتاب سے اُترا

اور اس کے بجائے جامۂ سبز
خوشنما سبزہ زار نے پہنا

جلوۂ مہر دن میں دلکش ہے
رات کو اختر و قمر کی ضیا

جوش پر آرہا ہے فیضِ نمو
چل رہا ہے بہار کا سِکّا

ہے عروسِ بہار کی آمد
موتی قوارے اب رہے ہیں لُٹا

محفلِ عیش میں بچھانے کو
ہے زمرد کا فرش سبزے کا

کی ہے شبنم نے آئینہ بندی
بوئے گل نے گلاب آ چھڑکا

گلرخانِ چمن کی تزئیں کو
آبدار آئینہ ہے آب بنا

ہے درختوں کا خوشنما جامہ
سُرخ اور سبز دھوپ چھاؤں کا

اور یہ سُرخ رنگ کیا کہئے
آسماں پر شفق کا ہے نقشا

پھول بن کامنی کے آم کے بور
نکہتِ مست سے ہیں عنبر زا

پھول ٹیسو کے اپنی سُرخی سے
لالہ زاروں کو ہیں رہے شرما

زعفراں کو ہے ناز خوشبو پر
ہے بسنتی لباس سرسوں کا

گلِ نرگس کی نیم باز آنکھیں
مست و بیخود ہیں محوِ نظارا

گیندا، گڑہل، گلاب، ناگ پھنی
سب ہیں فرشِ چمن پہ جلوہ نما

جب تماشائیوں کی کثرت سے
بیٹھنے کو کہیں نہ پائی جا

ہو کے مجبور شوقِ دید سے نخل
صف بصف ہوگئے ہیں استادا

بج رہے ہیں رباب ہواؤں کے
اور پتّے بجاتے ہیں طبلا

نہر نے آب کی روانی سے
نغمہ ہے جلترنگ میں چھیڑا

ہیں کہیں رقص کر رہے طاؤس
کہیں بلبل کے نغمۂ زیبا

کہیں کوئل کے دلگداز الاپ
دلِ عشاق میں رہے ہیں سما

ٹہنیاں جھومتی ہیں مستی سے
اور اشجار پہ ہے سکتہ سا

دیوانِ غالب اُردو

مرتبہ: امتیاز علی عرشی

غالب کا تمام اُردو کلام تاریخی ترتیب کے ساتھ

متن دیوان غالب کے بارہ مختلف قلمی و مطبوعہ نسخوں اور دیگر حوالوں کو سامنے رکھ کر تیار کیا گیا ہے۔

خاص خاص اشعار کی شرح غالب کے الفاظ میں، مرتب کا بصیرت افروز مقدمہ، نسخوں کے اختلافات کی نشاندہی۔

غالب کی اصل تصویر کے ساتھ، ممتاز فن کار عبدالرحمٰن چغتائی کی بنائی ہوئی تصویر بھی شامل ہے۔

ضخامت ۶۳۲ صفحے، کپڑے کی مضبوط جلد، پانچ رنگ کے ٹائٹل اور ٹائپ کی خوبصورت طباعت کا مجموعہ۔

قیمت: بیس۲۰ روپے

پتہ: انجمن ترقی اُردو (ہند) علی گڑھ

پبلشر نذیر حسن پرنٹر ضمیر الدین قریشی نے مسلم ایجوکیشنل پریس علی گڑھ میں چھپوا کر مرکزی انجمن سے شائع کیا

AsliAhleSunnet.com